جنابِ قائدہم شرمندہ ہیں

تحریر: سہیل احمد لون

جون 2001ء کی بات ہے جرمنی کے شہر فرینکفورٹ میں، میں اور میرا ایک دوست طارق بشیر بٹ Hauptwache میں ایک بینچ پر بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ بٹ صاحب سگریٹ نوش تھے جیسے ہی انہوں نے اپنا سگریٹ ختم کیا اس کے بچے ہوے حصے کو انہوں نے زمین پر پھینک دیا جہاں پر پہلے سے بھی کچھ سگریٹ کے ٹکڑے موجود تھے۔ اسی وقت دو جرمن سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنا تعارفی کارڈ دکھایا۔ ان کا تعلق شہری ماحول کو صاف اور حادثات سے پاک رکھنے سے تھا۔ انھوں نے بٹ صاحب کو سگریٹ کا ٹکڑا اٹھا کر قریبی لگے ہوئے کوڑے کے ڈبے میں پھینکنے کو کہا۔ جب بٹ صاحب فارغ ہوئے تو انہوں نے ان سے نام، تاریخ پیدائش اور پتہ پوچھ کر 10 یورو جرمانے کی پرچی بنا کر فوری جرمانہ ادا کرنے کو کہا۔ بٹ صاحب نے ان کو زمین پر پڑے سگریٹ کے وہ ٹکڑے دکھائے جو پہلے سے زمین پر موجود تھے مگر انہوں نے کہا کہ ان ٹکڑوں کو پھینکنے والوں کو انہوں نے نہیں دیکھا مگر آپ کو سگریٹ کا یہ ٹکڑا پھینکتے ہوے ہم دونوں نے دیکھا ہے۔ بٹ صاحب نے ان کو کہہ دیا کہ ان کی جیب میں اس وقت پیسے نہیں۔ تین دن بعد بٹ صاحب کو خط موصول ہوا جس میں وہی جرمانہ 15 یورو کر دیا گیا تھا۔ 5 یورو خط لکھنے کی فیس تھی۔ بٹ صاحب نے جذباتی ہو کر اس کو پھاڑ کر کوڑے میں پھینک دیا۔ دو ہفتوں بعد ان کو ایک اور خط ملا جس میں وہی جرمانہ لیٹ فیس کے ساتھ 45 یورو کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحریر تھا کہ اگر جرمانے کی یہ رقم 2 ہفتے کے اندر مذکورہ اکاؤنٹ میں جمع نہ کرائی گئی تو عدالتی کارروائی کی جائے گی اور عدالتی کارروائی کا سارا خرچ بھی بٹ بہادر کو برداشت کرنا پڑے گا۔ بٹ صاحب نے عدالت کا لفظ دیکھتے ہی سب سے پہلے بینک جا کر جرمانہ ادا کیا اور مسکراتے ہوئے مجھے کہا کہ یہ میری زندگی کی مہنگی ترین سگریٹ ہے۔ قانون کی بالادستی کا یہ عالم کہ شہری عدالتی کارروائی کا لفظ سنا کر ہی اپنی کوتاہی پر جرمانہ ادا کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہاں کا عدالتی نظام سب سے بالاتر ہے اور بلاشبہ اندھا ہے۔ اس کے بعد اس فیصلے پر عمل درآمد کروانا ریاست اپنا اولین فریضہ سمجھتی ہے چاہے یہ فیصلہ ان کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ دوسری طرف ہمارے ملک جرم کا ارتکاب کرنے سے پہلے پولیس کی معاونت کے لیے رابطے کیے جاتے ہیں، بھاری معاوضے ادا کیے جاتے ہیں۔ اگر پولیس مذکورہ ہدف پورا نہ کرے تو لوگ قانون کی دیوی کی آنکھوں پر دولت کی پٹی باندھ دیتے ہیں۔ اکثر ایماندار پولیس آفیسرز اور منصف کو عبرت کا نشان بھی بنایا گیا ہے۔ اب تو وہ بھی صحافی قربانی کا بکرا بننے شروع ہو گئے ہیں جنہوں نے اپنے پیشے سے وفا کر کے قلمی تقاضے ایمانداری سے پورے کرنے کی کوشش کی۔ جب ریاست کے اندر ایک مکروہ ریاست کا وجود پروان چڑھنا شروع کر دے تو اس کا حال ایسا ہی ہوتا ہے جیسے انسانی جسم میں کوئی جن داخل ہو کر اس کی روح کو قابو کر لیتا ہے۔ اس جن کو نکالنے کے لیے جیسے کوئی سچا عامل نہیں ملتا ویسے ہی ریاست پر قابض مخصوص گروہ کی سرکوبی کرنے کے لیے کوئی مخلص، نڈر، دیانتدار اور سچا پاکستانی لیڈر نہیں مل رہا جو ریاست کو ان عناصر سے آزاد کرے۔ ریاست کے نظام کی بیماری اتنی بڑھ چکی ہے کہ اس کا علاج اب Antibiotics یا Painkillers نہیں رہا۔ اس اپاہج نظام کو ٹھیک کرنے کے لیے ایک آپریشن کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد بھی اس کو مستقبل میں ان بکٹیریا اور وائرس سے بچانے

کے لیے حفاظتی ٹیکوں کے مکمل کورس کی ضرورت ہے۔ریاست کی رٹ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک اس کا نظام چلانے والوں میں سے کرپٹ لوگوں کا خاتمہ نہ کیا جائے۔ یہ وہی عناصر ہیں جو ملک میں بدامنی پھیلانے میں بلاواسطہ یا بلواسطہ ملوث ہیں۔ بھارت میں گزشتہ چند ہفتوں میں دوبار حکومت کو کرپشن کے خلاف عوامی ردعمل کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ پتہ نہیں ہماری عوام کی آنکھیں کب کھلیں گی؟حکمران طبقہ تو ان کو "لارے" کی "لوری" دے کر غفلت کی نیند سلانے میں کامیاب ہے۔

امن وامان تو پورے ملک میں ہی ناپید ہو چکا ہے مگر حالیہ دنوں میں کراچی تو دنیا کے خطرناک ترین شہروں میں شمار ہونے لگا ہے۔ جہاں پر غریب عوام کے خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے۔قائد کے شہر کراچی کو روشنیوں کا شہر کہا جاتا تھا جواب بارود کی بدبو اور دہشت گردی کی تاریکی میں ڈوب چکا ہے۔اس کو غریبوں کا مائی باپ شہر بھی کہا جاتا تھا جہاں پاکستان کے ہر علاقے سے لوگ روزی کمانے جاتے تھے۔ شب وروز رونقیں بکھیرنے والے اس شہر کو کچھ بلوائیوں نے ماتم کدہ بنا دیا ہے جہاں خوف و ہراس کی لہر نے معصوم شہریوں کا سکون برباد کر دیا ہے۔کراچی جو پاکستان کی معاشی گاڑی میں پہیوں کا کردار ادا کرتا ہے۔جس کے عدم استحکام کا مطلب ملک کی معاشی بدحالی ہے۔آج یہاں ہر طرف موت کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ریاست شہریوں کو تحفظ فراہم کرنے میں قطعی ناکام ہوچکی ہے۔اقتدار پر قابض رہنے لے لیے مصالحت کے نام پر بار بار مصلحت کی جارہی ہے۔ان حالات میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے''جنابِ قائد ہم شرمندہ ہیں''

حقیقت میں اس وقت تک امن وامان قائم نہیں ہوسکتا جب تک ملک کے عدالتی نظام کو درست نہ کیا جائے۔ پاکستان میں غریب بندے کے حصے میں صرف خوف ہراس ہی رہ گیا ہے۔قانون بنانے والے ادارے ہوں یا عدالتیں ان کا بس بھی صرف غریب لوگوں پر ہی چلتا ہے۔ یہاں قانون کا احترام اور خوف بھی صرف غریب طبقے کے دل ودماغ میں ہی ہے۔امیر طبقہ تو قانون بھی اپنی مرضی سے بنواتا ہے پھر ضرورت پڑنے پر اپنے مفاد کی خاطر اس میں تبدیلیاں بھی کرالیتا ہے۔قانون اور انصاف سب کے لیے ایک ہونا چاہیے۔عوام نے بڑی آس اور امید سے عدلیہ بحال کروائی مگر غریب عوام کو تو آزاد عدلیہ بھی کچھ نہ دے سکی۔اگر عدالت کسی قصوروار کو سزا سناتی ہے تو اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ کیونکہ کرپشن کے اس سمندر میں وہ مگرمچھ جن کو بڑی بڑی شارک مچھلیوں کا آشری باد حاصل ہے بھلا ان کو یہ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں کیا کہہ سکتی ہیں۔ان کو بھی پتہ ہے کہ سمندر میں رہ کر مگرمچھ سے بیر نہیں رکھا جاسکتا۔نظام چلانے اور اس کو بچانے کے لیے بعض اوقات تاریخی فیصلے کرنا پڑتے ہیں۔ برطانیہ کے حالیہ فسادات میں 2 نوجوانوں کو انٹرنیٹ کے ذریعے لوگوں کو لوٹ مار پر اکسانے کے الزام میں 4،4 سال کی قید سنائی گئی۔ عام حالات میں اس جرم کی سزا زیادہ سے زیادہ ایک وارننگ نوٹس ہونا تھا مگر جن حالات میں یہ جرم سرزرد ہوا اور اسکے جو اثرات مرتب ہوے ان کو بنیاد بنا کر عدالت نے تاریخی فیصلہ دیا جس پر ریاست نے عمل درآمد بھی کروایا۔تاکہ آئندہ کوئی ایسا قدم اٹھانے سے پہلے اس کا انجام ذہن میں ضرور رکھے۔1733 لوگوں کو گرفتار کیا گیا،عدالتوں نے دن رات کام کر کے ایک ہفتے میں ہزار سے زائد افراد کو سزائیں بھی سنائیں۔ہمیں ابھی بہت کچھ درست کرسکتے ہیں لیکن وہ دن دور نہیں جب ہم کچھ بھی نہ کرسکیں گے۔

تحریر: سہیل احمد لون

sohailloun@gmail.com

19اگست2011ء